ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.4 (2024)
(October to December)

# ڈراما "انارکلی": حقیقت یا فسانہ

# Drama Anarkali: Reality or Fiction

**ڈاکٹر ماجد مشتاق**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
**محمد رفیق**
ایم۔فل اُردو، گورنمنٹ ایلیمنٹری اسکول، میرک
**محمد آصف**
ایم۔فل اُردو، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Majid Mushtaq
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
Muhammad Rafique
M.Phill Urdu, PST, Govt. Elementary School, Meerak
Muhammad Asif
M.Phil Urdu, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.

**Abstract:**
Drama "Anarkali" is an important script of the history of Urdu drama. Is this drama based on reality? This is a major question on this drama. Mughal Empire having great history of governess in sub-continent. Akbar the great is prominent in the Mughal Empire. This drama directly related to this era. This drama having a tragic end of character "Anarkali" got fame for violence and human values. This article addresses the factors about it, through which we can decide that reality behind it. After this article we can easily decide about the reality of this story (Drama). The events and objects presented by William Finch not only gave rise to this story, but its other references also served as a stimulus for the "martyrdom of the Babri Masjid" and the related Hindu-Muslim riots on the political and social scene of India.

**Keywords:** Drama, History, Reality, Wajid Ali Shah, William Finch, Punishment, Orientalists. Hindu-Muslim

اُردو ڈراما کی تاریخ میں امتیاز علی تاج کا تحریر کردہ ڈراما "انارکلی" ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ڈراما کی روایت میں مقبولیت کے تمام تر سُوتے اسی تحریر سے پھوٹتے ہیں۔"انارکلی" میں بیان کردہ قصہ، کیا حقیقت ہے؟ ایسا سوال ہے جو اس ڈرامے کی تخلیق سے ایک صدی بعد بھی اہمیت رکھتا ہے۔اس حوالے سے ابہام کی تشفی تاحال ممکن نہیں۔امتیاز علی تاج کا ڈراما "انارکلی" بلاشبہ مقبولیت کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔اُردو ڈراما کی ابتدا سے عہدِ موجود تک، ڈراما اسٹیج سے ریڈیو اور ٹی۔وی تک صوتی اور بصری اثرات کے ساتھ طویل سفر طے کر چکا ہے۔"انارکلی" اس طویل تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔امتیاز علی تاج ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے اور

پچیس سال کی عمر میں ان کا ڈراما "انار کلی" پہلی بار اشاعت پذیر ہوا۔(۱) اس کی اشاعت کے فوری بعد اس عہد کے بڑے ناموں نے اس ڈرامے کو سراہا:

"اس کتاب کو جن نامور نقادوں نے سراہا اور اکابرینِ ادب نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان میں ڈاکٹر محمد اقبال، پروفیسر مرزا محمد سعید، پطرس بخاری اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔"(۲)

اس بات میں تو دو سری رائے نہیں کہ ڈراما "انار کلی" فنی اعتبار سے ایک مضبوط ڈراما ہے۔ پلاٹ، کردار، منظر نگاری اور مکالمے بہترین ہیں گو کہ ان سے پہلے آغا حشر کا نام بھی ڈرامے میں اپنی پہچان بنا چکا تھا۔ یونان کی اس صنفِ ادب نے یورپ سے ایشیا کا سفر کیا اور پھر برصغیر میں داخل ہوا۔ اس حوالے سے واجد علی شاہ کو اُردو ڈرامے کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ اے۔ بی اشرف نے اس کا ذکر یوں کیا:

"رادھا کنہیا جسے اردو ڈرامے کا مطلع اول کہا جاتا ہے، ۱۸۴۳ء میں لکھا گیا۔"(۳)

اس ڈرامے کو مسعود حسن رضوی ادیب نے اردو کا پہلا ڈراما قرار دیا۔(۴)

اس ڈرامے کے ساتھ اسٹیج کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ بعد ازاں اسے عوامی اسٹیج پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ ڈراما "انار کلی" اس حوالے سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس صنفِ ادب کو عوامی سطح پر مقبول کرانے میں کلیدی کردار رکھتا ہے۔ ڈراما شاہی ماحول کا ترجمان اور محلاتی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باہمی تال میل سے اپنا خمیر اٹھاتا ہے۔ نادرہ کے رقص کی پسندیدگی اور شاہی دربار بالخصوص اکبر کی نظرِ عنایت اور سلیم کی نظرِ التفات سے شروع ہوتا ہے۔ دلارام کا حسد اس کہانی کا محرک ہے جو بالآخر انار کلی کی اندوہ ناک موت، دیوار میں چنوا دینے پر ختم ہوتی ہے۔ ڈراما تین ایکٹ عشق، رقص اور موت کے عناوین پر مشتمل ہے اور کل تیرہ مناظر ہیں۔ مناظر باہم مربوط اور واقعاتی تسلسل کا مظہر ہیں۔ کہانی کی روانی اس کا بڑا اہم پہلو ہے۔ کردار اکبر، سلیم، دلارام اور انار کلی مخصوص شاہی ماحول کے آئینہ دار ہیں۔ ان سب خصائص کے ساتھ تاثیر کی سطح پر اس ڈرامے نے اس مغالطے کو جنم دیا کہ کہانی سچی ہے۔ موضوعِ بحث یہی مغالطہ ایک مضبوط رائے کی بنیاد بنا اور اسے تاریخی طور پر مُغل دور کے مظالم کی ایک کڑی کی صورت میں دیکھا گیا۔ باوجود اس کے کہ خود مصنف امتیاز علی تاج نے اس کے ابتدائیے میں اس سارے واقعے کا تعلق روایت سے جوڑا ہے۔(۵)

اس سوال کا جواب بھی اسی میں پنہاں ہے کہ آخر یہ روایت جو امتیاز علی تاج تک پہنچی تو اس کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اور اس کی کیا کیا صورتیں تھیں جو لوگوں میں رائج تھیں۔ اس روایت کا پہلا حوالہ ۱۶۱۱ء میں نظر آتا ہے جسے ولیم فنچ نے بیان کیا۔ ولیم فنچ جو تجارت کی غرض سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ آیا تو اس نے اس دورے کی یادداشتیں تحریر کیں۔ ان یادداشتوں کی تاریخی صحت کچھ بھی رہی ہو اس کے اثرات بعد میں ظاہر ہوتے گئے۔ ان کی ان تحریروں نے ایودھیا، کی بابری مسجد کے واقعہ میں بھی اہم محرک کا کردار ادا کیا۔ ان کا بیان ہے:

"Here are also the ruins of Ravi chand (s) castle and houses, which the Indians acknowledge for the great God." (6)

اسی طرح وہ اپنے سفر نامہ میں "انار کلی" کے حوالے سے یوں رقم طراز ہوا:

"شیخ فرید کی مسجد کے پاس شہر کی ایک بڑی عمارت کھڑی ہے۔ یہ دانیال شاہ کی ماں کا مزار ہے جو اکبر کی بیوی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادہ سلیم کی نیت اس کے متعلق بری تھی۔ اس کا نام انار کلی

تھا۔ اکبر نے اسے اپنے محل کی دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ جہاں وہ مر گئی اور بادشاہ جہانگیر نے اپنی محبت کی یاد میں ایک بہت عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔"(۷)

ولیم فنچ جو کہ بنیادی طور پر تاجر پیشہ تھا، اسے مؤرخ قرار دے کر اس قصہ کے حامیوں نے روایت کو تاریخی حقائق میں بدلنے کی کوشش کی۔ فنچ کے اس انکشاف کا دارومدار کسی دستاویز پر نہیں ہے۔ عین ممکن ہے اُسے اس سیر کے دوران کسی سے یہ قصہ سننے کو ملا ہو اور اسی روایتی قصہ کو اس نے تحریر کر دیا جسے بعد ازاں تاریخ قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ اسی قصہ کو پروفیسر مولانا علم الدین سالک نے اپنے مضمون "انار کلی، تاریخی انکشافات" میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

"انار کلی کا قصہ مختصراً اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سرزمینِ ایران میں ایک نہایت متمول تاجر اعجاز نامی رہا تھا۔ نادرہ اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جب اعجاز اس کی پندرہویں سالگرہ منا رہا تھا تو ایک رمال اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ لڑکی آج آدھی رات ڈھلنے سے پیشتر زمین میں نہ چنوا (دفنا) دی گئی تو تمام خاندان مصائب و حوادث کی آماج گاہ بن کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اعجاز نے اس کی پروانہ کی اور بدستورِ سابق جشن منانے میں مصروف رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھی رات ڈھلتے ہی ایک زبردست طوفان اٹھا اور اس کا آدھا گھر تباہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد خادم یہ خبر لایا کہ اس کا بھائی، جو تجارت کی غرض سے باہر گیا ہوا تھا، مال و اسباب سمیت سمندر میں غرق ہو گیا ہے۔ مرزا اعجاز یہ واقعات دیکھ کر بہت گھبرایا اور قسمت آزمائی کے لیے عازمِ ہندوستان ہوا۔ نادرہ باپ کے ہمراہ تھی۔ راستے میں یہ قافلہ 'کوہ دلیر' نامی ڈاکو سے دوچار ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مرزا اعجاز کوہِ دلیر کے ہاتھوں مارا گیا۔ یتیم نادرہ بھی اس کے ہتھے چڑھ گئی مگر اس کی خوش قسمتی سے صوبہ سرحد کا ناظم موقع پر پہنچ گیا اور اس نے ڈاکو کو مار کر لڑکی راجہ مان سنگھ گورنر کابل کے پاس بھیج دی۔ راجہ مان سنگھ نے اسے شاہی دربار لاہور میں روانہ کر دیا جہاں وہ کنیزانِ حرم میں شامل کر دی گئی۔

ایک دن جب مریم زمانی جودھ بائی اکبر کے ساتھ شبستانِ حرم میں بیٹھی تھی۔ اس نے نادرہ کو رقص کے لیے طلب کیا۔ نادرہ نے اپنے کمالات سے محفل کی محفل کو محوِ تحیّر کر دیا۔ اکبر خود اس درجہ محظوظ ہوا کہ اس نے نہ صرف ایک جڑاؤ ہار اپنے گلے سے اُتار کر اسے دے دیا بلکہ انار کلی کا خطاب بھی عطا کیا۔ شہزادہ سلیم نے اُسے دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب سلیم اور مہرالنسا آپس میں اُلفت کی پینگیں بڑھا رہے تھے۔ شہزادے کا کنیزانِ حرم کے ساتھ آنکھ مچولی کرنا، انار کلی کا غلطی سے شہزادہ کو بغل میں لے کر بھینچنا وغیرہ نہایت عُریاں واقعات ہیں جو ہمارے افسانہ نگاروں کے قلم سے بیسیوں بار نہایت وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں۔ غرض سلیم اور انار کلی آپس میں شیر و شکر ہو گئے یہاں تک کہ اس کی خبر انبیر کماری کو ہو گئی۔ اس نے تحقیقات کے بعد انار کلی کو کوڑوں سے پٹوایا۔ سلیم یہ دیکھ کر انبیر کماری پر بہت خفا ہوا۔ چنانچہ اس نے انبیر کماری کو مجبور کیا کہ وہ انار کلی سے معافی مانگے مگر انار کلی نے یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کر دیا کہ قصور میرا ہے راج کماری بالکل بے قصور ہے۔

سلیم ان دنوں ابوالفضل کی اتالیقی میں تھا۔ جب عشق کی بدولت اُس نے اپنے مطالعہ میں تساہل برتنا شروع کیا تو اُسے کچھ شک ہوا۔ شہباز کی غمازی نے تمام واقعات اصلی صورت میں اس کے سامنے پیش کر دیے۔ ابوالفضل نے اس کے پوست کندہ حالات اکبر کے حضور پیش کیے۔ بادشاہ نے دونوں کو علیحدہ کر دیا مگر ۱۰۰۸ھ میں جب اکبر شیش محل لاہور میں بیٹھا انار کلی کا رقص دیکھ رہا تھا تو اس کی توجہ شیشہ کی طرف مبذول کرائی گئی جس میں اسے شہزادہ سلیم اور انار کلی ایک دوسرے سے لگاوٹ کی نظر سے دیکھتے ہوئے دکھائی دیے۔ اکبر کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے انار کلی کو حراست میں لینے کا حکم دیا کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ولی عہد محل کی ایک کنیز سے شادی کر کے خاندان کو بٹہ لگائے مگر سلیم کسی طریقہ سے اُسے لے کر بھاگا۔ شاہی سواروں نے اس کا تعاقب کیا اور وہ 'رمنہ' میں گرفتار ہوئے۔ انار کلی قاضی کی عدالت پیش کی گئی جس نے ابوالفضل کے ایما سے فیصلہ کیا کہ اُسے دیوار میں زندہ چنوا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب جہانگیر سریر آرائے ہند ہوا تو اس کشتہ اُلفت کی تربت پر ایک نہایت عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا اور لوحِ مزار سے یہ کتبہ نصب کرایا:

آہ گر من باز بینم مو وے یار خویش را
تا قیامت شکر گویم کرد گا خویش را

(مجنون سلیم اکبر ۱۰۰۸ھ)

ترجمہ: آہ اگر میں اپنے دوست کے چہرے کو دیکھوں تو قیامت تک خدا کا شکر بجا لاتا رہوں گا۔ بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جہانگیر نے قلعہ معلّٰی سے لے کر اس کے مزار تک ایک عظیم الشان بازار بھی تعمیر کرایا اور اس کا نام انار کلی رکھا۔ یہ ہے وہ مشہور تاریخی فسانہ جسے ملک میں فروغ دینے کے، ہمارے ادیب، مصور، ناٹک کمپنیاں اپنی طبع آزمائی کر رہی ہیں۔"(۸)

اب ذرا ان دونوں روایتوں کے اندرونی بُعد کو دیکھا جائے تو 'فنچ' کے بیان کردہ کردار کی حیثیت اور مؤخر الذکر (بیان کردہ) کردار کی نوعیت میں اتنا فرق ہے کہ دونوں کو شاید ایک کردار ہی تسلیم کرنا مشکل ہو جائے۔ اکبر کی بیوی پر جہانگیر کی بُری نظر اور وہ بھی جب یہ عورت ایک شہزادے کی ماں ہو، اس پر طرہ یہ کہ جہانگیر کی خطا معاف اور اس عورت کو اس عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا جائے۔ خلافِ عقل ہے اکبر کی زندگی اور حکومت کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کا فعل کسی رانی کے ساتھ بھی خلافِ واقعہ دکھائی دیتا ہے۔ اکبر کثیر الازواج بادشاہ تھا اور اس کے حرم پر بھی مختلف مؤرخین نے آراء پیش کی ہیں سوائے اس قصہ کے نہ تو کسی کنیز اور نہ ہی حرم میں داخل کسی عورت کے ساتھ اس کے اس ظالمانہ رویے کی مثال پیش کی گئی اور نہ ہی کی جا سکتی ہے۔ 'فنچ' کا انار کلی کو شہزادے دانیال کی ماں قرار دینا بھی محیر العقول بات ہے کہ تاریخ میں اکبر کی اولادوں اور ان کی ماؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب کہ دانیال کی ماں بھی ایک ہندو عورت تھی۔ اس صورتِ حال میں یہ بات تسلیم کر لینا کہ مُغل سلطنت کی ریشہ دوانیوں اور اندرونی چپقلشوں کی طویل تاریخ کی موجودگی میں شہزادے دانیال کا کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ اگر شہزادہ کم سن تھا تو بھی جہانگیر نے مقبرہ تعمیر کرایا مگر بیٹے کی طرف سے کوئی حوالہ تاریخ سے گُم رہا۔

اسی روایت سے ایک اور سوال بھی جنم لیتا ہے کہ 'لاہور' جس کی درجنوں تواریخ موجود ہیں اور تاریخی مقامات پر بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ شیخ فرید کی مذکورہ مسجد تو کیا کسی بھی مسجد کا ایک بھی تذکرہ موجود نہیں۔ بات یہاں تک نہیں رُکتی مُغلیہ سلطنت میں اس واقعہ سے پہلے اور بالخصوص بعد میں بھی اس نوعیت کی کسی سزا کا تذکرہ کنیز انِ حرم تو کیا حکومت مخالف مجرمان کے لیے بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ یعنی انار کلی سے مؤرخین کی ہمدردی اور جہانگیر کا اس پر بُری نظر رکھنا ایسا جُرم تھا جس کی شدت، غداری، سرکشی اور دیگر جرائم سے بڑی ٹھہری۔

ولیم فنچ کے پیش کردہ واقعات اور معروضات نے اس قصہ ہی کو جنم نہیں دیا بلکہ اس کے دیگر حوالوں نے بعد ازاں ہندوستان کے سیاسی و سماجی منظر نامے پر 'بابری مسجد کی شہادت' اور اس سے وابستہ ہندو مسلم فسادات کے لیے بھی محرک کا کام کیا۔ کیا کہیے اس انفرادیت کے شوق کو کہ محض اپنے سفر کو معتبر بناتے دینی، سیاسی اور سماجی منظر نامے کو ایسا نقصان پہنچایا جس کی تلافی ممکن نہیں۔ پیش کردہ دوسری روایت کے پیشِ نظر کئی ایسے سوالات ہیں جو اس دیدہ زیب اور دلآویز قصے کی صحت کو مشکوک بناتے ہیں۔ 'انار کلی' کا ایرانی النسل اور خاندانی تاجرانہ پس منظر کہیں بھی اس قصے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کہانی میں اس کا 'کوہ دلیر' ڈاکو، صوبہ سرحد کے گورنر، راجہ مان سنگھ، اور پھر کنیز انِ حرم لاہور دربار تک رسائی کا سارا واقعہ اس بات کی دلالت نہیں کرتا کہ وہ حُسنِ بے مثل تھی اور اس دور کے قاعدے مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی ایک بھی مقتدر شخص کا اس پر دل نہ آیا ہو۔ یہاں تک کہ لاہور دربار میں بھی اس کی شناخت ایک لاجواب رقص سے ہوئی، اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔

اس روایت کے حوالے سے انار کلی اور سلیم کا ایک دوسرے کو لگاوٹ کی نظر سے دیکھنا۔ اکبر کی غیرت کے خلاف دکھایا گیا ہے۔ سلیم اور انار کلی کی آنکھ مچولی بھی ایسا واقعہ تھا کہ کسی شہزادے نے کنیزوں کے ساتھ یہ رویہ روا نہیں رکھا اور پھر اسی لگاوٹ کو شادی کا ارادہ قرار دینا بھی خلافِ واقعہ ہے۔ بات یہیں نہیں رکتی، سوال یہ بھی اُٹھتا ہے کہ اکبر کی زندگی اور شادیوں کے احوال کے بعد کیا ایک کنیز کا شہزادے سے التفات روا رکھنا، ایسا بڑا جُرم ہے کہ اُسے اذیت ناک موت سے دوچار کیا گیا۔ اس روایت کے حوالے سے کتبہ پر کندہ فارسی شعر اور اس کے نیچے درج نام "مجنون سلیم اکبر" بھی مُغل روایت یا اپنے عہد کے عمومی رجحان سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بد قسمتی سے اسی کتبے اور اسی عمارت کو جو اب لاہور سیکرٹریٹ میں موجود ہے، سب سے مضبوط حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، تو کیا بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کی پوری تاریخ میں کسی شہزادے یا بادشاہ کا نام اسی نسبت کا مظہر ہے جو اس کتبے پر تحریر ہے۔ عرب روایت سے پنجابی روایت تک آتے آتے یہ روش تو نظر آتی ہے کہ بیٹے کے نام کے ساتھ باپ کے نام کا اضافہ تو موجود ہوتا ہے مگر مُغل تاریخ اس طرح کے اسمیاتی تعارف سے خالی نظر آتی ہے۔ ابوالفضل اور جہانگیر کی براہِ راست اتالیقی پر بھی تاریخی شبہات سے اس روایت میں کمی اور خامی کا اشارہ ملتا ہے۔

اب ذرا ان زمینی حقائق کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ زمینی حقائق کسی نہ کسی طور اس واقعہ کی صداقت کے لیے مدد و مددگار ثبوت کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ پہلا حوالہ تو یہی عمارت ہے جو لاہور سیکرٹریٹ کی حدود میں واقع سفید گنبد کے ساتھ موجود ہے اور اس کے اوپر نصب تختی، مجنون سلیم اکبر، کے حوالے سے اسے انار کلی کا مقبرہ تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مقبرہ جو انار کلی سے منسوب ہے، بٹالہ، (پنجاب) میں موجود ہے۔ ناقدین کا خیال ہے کہ اتنے بڑے شواہد کسی قصے کے ہونے کی دلالت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں بڑا حوالہ وہ سُرنگ ہے جو شیخ سلیم چشتیؒ کے مزار کے پہلو میں ہے اور اس سُرنگ کا نام بھی انار کلی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اب ان تینوں کے حوالے سے غور کرتے ہوئے ان سوالات کا کیا کیا جائے جن کے جواب تاریخ

کے اوراق میں موجود نہیں۔ اگر پہلی عمارت کو انار کلی کا مقبرہ مان لیا جائے تو وہ وجوہات کہاں سے لائیں جن کی بنا پر شاہی قلعہ میں پیش آئے واقعہ کو تکمیل تک لانے کے لیے شاہی قلعہ سے دو کلو میٹر کے فاصلے کا انتخاب کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ عمارت کیا اکبر کے دور میں تھی؟ اور اگر موجود تھی تو اس کا مصرف کیا تھا؟ جہاں تک انار کلی بازار کا نام رکھنے کا تعلق ہے تو ضروری نہیں کہ 'انار کلی' کا لفظ اسی ایک واقعہ کے کردار کی عکاسی کرے۔ ہندوستان کی طویل تاریخ میں ایسے مبہم یہ موسوم مقامات کی کمی نہیں۔ اسی بازار سے ملحقہ 'بانو بازار' بھی ایک خاتون کے نام پر ہے تو کیا اس سے بھی کوئی کہانی منسوب کر لی جائے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر جہانگیر نے تخت سنبھالتے وقت اس مقبرے کی تعمیر کو اپنے لیے اولین فرائض کے طور پر سمجھا تو کیا وجہ تھی کہ وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''توزکِ جہانگیری'' میں اس قصہ یا انار کلی کا ذکر تک نہیں کرتے۔ اس کتاب میں جہاں شکار کے اسرار و رموز، پرندوں اور جانوروں کی عجیب الخلقت صورتیں بھی مذکور ہیں، اپنی لازوال محبت کا تذکرہ تک نہیں۔ یہی وہ بادشاہ ہے جو قلبی لگاؤ سے مجبور ہو کر اپنی محبوب ہرن کی یادگار ایک عالی شان عمارت 'ہرن مینار' (شیخوپورہ) کی صورت دنیا کو عطا کرتا ہے مگر اس محبت کا ذکر نہیں کرتا جو اُسے بادشاہ کے حضور رُسوا کر سکتی تھی، دوسری روایت کی صورت میں وہ محل سے انار کلی کو لے کر فرار ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ فنونِ لطیفہ سے دل چسپی رکھنے والا جہانگیر، جہاں ''توزکِ جہانگیری'' میں مصوری کے اسرار و رموز کو موضوع بناتا ہے، وہاں اس رقص یار قاصہ کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا جسے اس کے فن کی وجہ سے دیوار میں چنوا دیا گیا۔ اب ذکر 'بٹالہ' میں موجود 'انار کلی' کے مزار کا۔ اگر یہ مزار درست مان لیا جائے تو پھر 'رمنہ' سے گرفتاری کی بات کا انکار لازم ہے۔ دونوں علاقے جغرافیائی طور پر متضاد سمتوں میں ہیں اور اگر یہ مزار درست ہے تو واقعہ کی صحت مشکوک ہے۔ انتہائی غم و غصہ کی حالت میں اکبر کا یہ فیصلہ بر سرِ عمل لانے کے لیے 'لاہور' سے دور 'بٹالہ' کا انتخاب بھی مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہے۔

شیخ سلیم چشتیؒ کی درگاہ مراجع خاص و عام ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں زائرین اس سرنگ کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، جس کے متعلق روایت ہے کہ اکبر نے انار کلی کی ماں کی فریاد پر اُسے رات کے اندھیرے میں فرار کرا دیا تھا اور یہ سُرنگ اس فرار کے لیے استعمال ہوئی۔ شیخ سلیم چشتیؒ اور مُغل خاندان بالخصوص اکبر کی عقیدت واضح ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پریشان حال 'اکبر' ننگے پاؤں شیخ کے پاس حاضر ہوا اور اولادِ نرینہ کے لیے دُعا کا طلب گار ہوا۔ پھر شیخ سلیم چشتیؒ کی دُعا کی برکت سے 'سلیم' پیدا ہوا اور اس کا نام بھی سلیم چشتیؒ کی نسبت سے رکھا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ واقعہ کی صحت پر یہ زمینی حوالہ بھی سوالات چھوڑتا ہے۔ 'انار کلی' شاہی قلعہ لاہور کے زندان میں قید تھی تو پھر فرار کا امکان فتح پور سیکری سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اور دوسری بات یعنی دیوار میں چنوانے کا واقعہ بھی درست نہیں۔ اس سُرنگ کی عرفیت اگر انار کلی سے مان لی جائے تو پہلے دونوں زمینی حوالے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر مولانا علم الدین سالک تو اس بات کے دعویدار ہیں کہ انار کلی کسی خاتون کا نام نہیں بلکہ ایک طرزِ تعمیر ہے، جس کی تراش خراش اور وضع قطع کی نسبت سے اسے 'انار کلی' کا نام دیا جاتا ہے۔(۹)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اکبر کے حرم میں کنیزوں کے نام کو دیکھا جائے تو اس طرح کی اضافت سے کوئی اور نام نظر نہیں آتا، یعنی مُغلوں بالخصوص اکبر کا ذوق اس طرح کے ناموں کی طرف مُہر ثبوت ثبت کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ اب ذرا ان عوامل کو دیکھ لینا چاہیے کہ اس قصہ یا فسانہ کی مقبولیت کے پیچھے کون سے راز تھے جن کی وجہ سے اس روایتی قصے کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش کی گئی۔ اس حوالے سے پروفیسر علم الدین سالک ایک انگریز مؤرخ ڈاکٹر لین پول کا قول بیان کرتے ہیں:

''ہندوستانی زندگی کے متعلق اکثر سیاحین کا نظریہ پست ہے۔ وہ جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو غلط بیانی کی عینک چڑھا لیتے ہیں۔''(۱۰)

اب ذرا غلط بیانی کا مفہوم دیکھ لیا جائے کہ کیا اِسے محض قصے یا روایت کی دلآویزی کے لیے اپنایا گیا یا پھر کوئی تعصب کار فرما تھا جو اس طرح کی کارروائیوں کے پیچھے کار فرما رہا۔ دوسرا پہلو حقیقت کے قریب نظر آتا ہے۔ ہندوستان پر مُغل سلطنت کا دور صدیوں پر محیط ہے۔ اس خاندان کی مقبولیت اور بطور حکمران ان کا رعایا سے برتاؤ کسی اور عہد کے برابر رکھ کر دیکھنا بھی سراسر ناانصافی ہے۔ اس خاندان کا نمایاں ترین حکمران اکبر تھا جس نے سیکولر ہندوستان کی بنیاد رکھی۔ مذہبی بنیاد پر تفریق اس عہد میں ناپید تھی یہاں تک کہ ہندو مسلم میل جول کو آج بھی مذہبی طبقہ بڑی شدت سے موضوع بناتا اور رد کرتا ہے۔ دوسری طرف سیکولر ہندوستان کا دم بھرنے والے اس عہد کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ اکبر اُن کا ہیرو ہے جبکہ اورنگ زیب عالمگیر ایک ولن کی حیثیت رکھتا ہے جس نے مذہبی تشخص کا راستہ اپنایا۔ فنونِ لطیفہ کی کئی صورتوں پر پابندی عائد کی اور اس پر سزائیں دیں صرف یہی نہیں عالمگیر کے حق میں درویشی کے دعویدار مصنفین بھی اُسے 'قاضی جی نوراللہ شوستری' کے قتل اور مذہب کی بنیاد پر جنگوں کے تاریخی پہلوؤں سے بری الذمہ قرار نہیں دیتے۔ اکبرِ اعظم کی یہ مقبولیت عوام میں ان کے مثبت تاثر کی بنیاد ہے جسے متزلزل کیے بغیر جدید ہندوستان کا تصور عام کیا جانا ممکن نہ تھا تو اس طرح کے قصے اور فسانے گھڑ کر اُسے ظالم اور جابر حکمران کی صورت میں پیش کیا گیا۔ صرف اکبر ہی نہیں بلکہ اس کے مشہور رتن ابوالفضل کو بھی اس قصے میں شامل کر کے اس کی عقل و ذہانت پر بھی وار کیے گئے۔ گو کہ امتیاز علی تاج کے ڈرامے میں ابوالفضل کا کردار غائب ہے مگر امتیاز علی تاج جس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ اس کردار کو منہا نہیں کرتی۔

اس طرح کی کردار کشی صرف اکبر کی حد تک ہی محدود نہیں بلکہ دیگر بادشاہوں مثلاً ہمایوں کی نشہ کی حالت، اورنگ زیب کی مذہبی شدت پسندی، شاہ جہاں کے حوالے سے 'تاج محل' کے معماروں کے ہاتھ کاٹنے کا عمل جیسی صورتوں میں بیان کی گئی۔ حالانکہ جغرافیائی آثار اس بات کے گواہ ہیں کہ جمنا کے دوسرے کنارے کالے پتھر سے ایک اور تاج محل، شاہ جہاں اپنے مقبرے کے لیے تیار کروا رہا تھا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ محمد شاہ پر آ کر تو فحاشی اور لغو بیانی کی تمام حدیں پار کر دی گئیں۔ مختصر یہ کہ آخری خاندان جس نے برصغیر میں اسلامی حکومت قائم کی اور اسے صدیوں تک نبھایا لوگوں کے سامنے اس صورت میں پیش کیا جائے جن میں انسانی قدروں کا فقدان تھا۔ اس خاندان کا سب سے بڑا حوالہ اکبرِ اعظم جو مذہب سے بالاتر اپنی مقبولیت رکھتا ہے اُسے عوامی نظروں میں مشکوک بنایا جائے۔

''انار کلی'' ایسا قصہ ہے جس کا ذکر معاصر مؤرخین نے نہیں کیا، ان میں ایسے مؤرخین بھی تھے جو کہ مُغل عہدِ حکومت پر بڑی کڑی نظر رکھتے ہیں۔ اُن کی نظروں سے یہ واقعہ اوجھل رہا، مستشرقین کی تواریخ بھی ان سے خالی ہیں۔ مقامی حالات اور جغرافیائی شہادتیں بھی اس قدر کمزور ہیں کہ ان پر کسی دلیل کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس پر ہٹ دھرمی یہ کہ اس قصے کو ثابت کرنے کے لیے مزید قصے گھڑے گئے۔ اس حوالے سے سلطان محمود آشفتہ (مدفون جیون ہانہ قبرستان، گارڈن ٹاؤن، لاہور) جو خود کو درویشی سلسلے سے منسوب کرتے تھے ایک الگ حوالہ پیش کرتے تھے۔ مشہور پنجابی مصنف 'حسین شاد' کی رہائش گاہ پر راقم سمیت کئی افراد کے سامنے انھوں نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے انار کلی، سلیم اور اکبر کی روحوں کو بلایا اور ان سے حقائق پتہ کیے ہیں۔ ان کے بقول اکبر نے انار کلی کو اس لیے دیوار میں چنوایا تھا کہ وہ ایک کنیز کے بطن سے اکبر کی ہی اولاد تھی اور وہ یہ راز جانتا تھا اس لیے مبادا بہن بھائی رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہو جائیں۔(۱۱)

اب اس طرح کے بیانات بھی اگر اس واقعہ کی صحت میں ثبوت کے طور پر تسلیم کیے جائیں تو تاریخ کے معیارات بدلنے پڑیں گے۔ مجموعی طور پر جب مصنف امتیاز علی تاج اس واقعے کو روایت سے منسلک کرتے ہیں اور اس ڈرامے کا اختتام وہاں پر کرتے ہیں جہاں مہارانی سلیم سے کہتی ہے "یہ لاہور شہر اس کہانی کو زندہ رکھے گا۔" (۱۲)

مزید یہ کہ تاریخی شواہد اور مؤرخین بھی اس بات کو درخورِ اعتنانہ سمجھیں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی قصہ کی مقبولیت اس کے حُسنِ بیان اور دلآویزی سے ہے جیسا کہ انار کلی کے قصے کو من گھڑت، بے بنیاد اور جھوٹا ہونے کے بعد بھی مقبولیت کے اس درجے پر پہنچا دیا گیا کہ لوگ اُسے حقیقت قرار دینے پر مائل ہوئے۔

## حوالہ جات


۱۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، سید امتیاز علی تاج، شخصیت و فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء، ص:۶۷

۲۔ ایضاً، ص:۶۷

۳۔ اشرف، اے۔بی، ڈاکٹر، اُردو ڈراما اور آغا حشر، ملتان، بیکن بُکس، ۱۹۹۲ء، ص:۴۹

۴۔ مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ کا شاہی اسٹیج، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۸ء، ص:۱۱

۵۔ امتیاز علی تاج، انار کلی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص: ابتدائیہ

6. Bakker, Ayodya, Part-I, Georgia: University of Georgina Institute of Indian Studies, 1984, P:136

۷۔ شوکت علی فہمی، ہندوستان پر مغلیہ حکومت، دہلی، دین دنیا پبلشنگ کمپنی، س ن، ص:۸۱

۸۔ علم الدین سالک، پروفیسر، انار کلی تاریخی انکشافات، (مشمولہ)، دبستان، علمی و ادبی مجلہ، لاہور: گورنمنٹ کالج آف سائنس، ۹۶۔۱۹۹۵ء، ص:۵۔۷

۹۔ ایضاً، ص:۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۹

۱۱۔ راقم کی تحریری یادداشتیں، بمقام ستلج بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

۱۲۔ امتیاز علی تاج، انار کلی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱۱۶


## References in Roman Script:


1. Gohar Noshahi, Dr., Syed Imtiaz Ali Taj: Shakhsiyyat-o-Funn, Islamabad: Academy Adbiyaat Pakistan, 1999, P:67
2. Ibid, P:67
3. Ashraf, A.B. Dr., Urdu Drama aur Agha Hashar, Multan: Becon Books, 1992, P:49
4. Masood Hassan Rizvi Adeeb, Lucnow ka Shahi Stage, Lucnow: Nizami Press, 1968, P:11
5. Imtiaz Ali Taj, Anarkali, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001, P: Ibtidaiya
6. Bakker, Ayodya, Part-I, Georgia: University of Georginia, Institute of Indian Studies, 1984, P:136

7. Shaukat Ali Fehmi, Hindustan par Mughliya Hakoomat, Delhi: Deen Dunya Publishing Co., P:81
8. Ilm-ud-Din Salak, Prof., Anarkali Tareekhi Inkashafaat, Mashmoola: Dabastan, Ilmi-o-Adbi Mujalla, Lahore: Govt. College of Science, 1995-96, P:5-7
9. Ibid, P:12
10. Ibid, P:9
11. Raqam ki Tehriri Yaad-Daashten, Bamuqaam Satluj Block, Allama Iqbal Town, Lahore.
12. Imtiaz Ali Taj, Anarkali, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007, P:116